OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

خیبر پختون خواہ کے علاقے بنوں کے اہم شاعر مقبول عامر کی شاعرانہ انفرادیت

Poetic Individuality of a Prominent Poet from Banu Region of Khyber Pakhtunkhwa Maqbool Amir

Dr. Umer Qiaz Khan Qail
Government College of Management Sciences No.1 Bannu
Dr. Aqsa Naseem Sindhu
Urdu Department, Govt Sadiq College women University Bahawalpur
Syed Azwar Abbas
Urdu Department, Hazara University Mansehra

Abstract

Maqbool Aamir, a Legendary Poet got birth during 1954 in the fertile land of Bannu; one of the beautiful cities of southern belt of Khyber Pakhtunkhwa. The land of Bannu is also fertile in the field of literature. This land owns a number of literati and Maqbool Aamir is one amongst them. His original name was Syed Maqbool Hussain Shah while he is known as Maqbool Aamir amongst poets. His forefathers link to Hazrat Bahaud Din Zakariya Multani. He got his early education at Bannu, and got the degree of M.A. Urdu from University of Peshawar. He joined Academy Adabiyat Islamabad as Research Officer in 1984. He got the fatal disease of Scleroderma at the very young age. He tried his best to get sound health. He went to London for treatment but could not fight against the disease. At last left the legacy and friends in tears on May 31st, 1991. May his soul rest in peace. During 1990, one year before his death, he published his book "*Diyay Kī Ānkh*" ,". The book consists of 52 Ghazals, 25 poems, 6 couplets and a number of songs. Maqbool Aamir was an

CC BY

innovative poet and very soon he became a reference. His poetry has got a vivid picture of real and deeper feelings. His personal life is reflected in his poetry, but he is always an optimistic. *"Hum Ahele Shab K Liyay Subh Ka Hawalaa Hay… Diyay Kī Ānkh Men Aansoo Nahi, Ujala Hay."* He had always been in the search of such an honest leader, who could lead him towards light. He was a humanist poet with a healing heart in his chest. Most of his poems even show love for animals and birds. His poetry has got aphoristic style with simple approach towards life. He is considered to be the painter of life. He expressed what he felt. He touched every corner of life; if it is romance or social problem.

Key Words: Maqbool Aamir, Bannu, Khyber Pakhtunkhwa, *Diyay Kī Ānkh* ," Academy Adabiyat Islamabad

تمہید

خیبر پختون خوا کے جنوبی اضلاع کوہاٹ، ہنگو، کرک، بنوں، لکی مروت، ڈیرہ اسماعیل خان اور ٹانک پسماندہ اور دُور اُفتادہ ضرور ہیں لیکن اِن اضلاع نے ہر شعبہ ءزندگی میں بڑے نام پیدا کیے ہیں، جنھوں نے اپنی فہم و فراست، عقل و دانش اور بے پناہ صلاحیتوں سے قوم و ملک کا نام پوری دُنیا میں روشن کیا۔ جنوبی اضلاع کی سنگلاخ چٹانوں اور پتھریلی زمین نے ایسی ایسی انمول ہستیوں کو جنم دیاہے، جن کے کارناموں پر ہم بجاطور فخر کرسکتے ہیں۔ جنوبی اضلاع کی فلاح و بہبود و ترقی اور خوشحالی میں اِن نام ور علمی و ادبی شخصیات نے اپنی بے پناہ خُداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جنوبی اضلاع کا نام روشن کیاہے اور اِسے چار چاند لگانے میں بھرپور اور نمایاں کردار ادا کیاہے۔ یہ اضلاع ابتداہی سے علم و ادب اور شعر و سخن کے گہوارے رہے ہیں۔ اِس سر زمین نے شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کی ایک بہت بڑی کھیپ کو جنم دیاہے، جنھوں نے کسی صلہ وستائش کی پرواہ کیے بغیر علم و ادب شعر و سخن کے ذریعے قوم وملک کی بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ خیبر پختون خوا کے جنوبی اضلاع میں ضلع بنوں اگر ایک طرف نہری پانی کی بیش بہا دولت سے مالامال ہونے کے باعث بڑا زرخیز ہے تو دوسری طرف ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں سے متصف شخصیتوں کے طفیل بڑا مردم خیز بھی ہے۔ سرزمین بنوں نے ماضی میں علم و ادب اور شعر و سخن کی جن نام ور شخصیتوں کو جنم دیاہے۔ اُن ناموں میں ایک نمایاں نام مقبول عامرؔ کا بھی ہے۔

مقبول عامر: مختصر احوالِ زندگی

مقبول عامرؔ کا اصل نام: سید مقبول حُسین شاہ تھا اور ادبی نام مقبول عامرؔ تھا۔ پیدائش کے متعلق خُود مقبول عامرؔ کہتے ہیں: "میں 1954ء میں بنوں میں پیدا ہُوا، وہیں پلا بڑھا اور تعلیم پائی، مادری زبان پشتو ہے۔ شعر اُردو میں کہتا ہوں۔"[1] جب کہ سیکنڈری

سکول سرٹیفکیٹ میں مقبول عامرؔ کی تاریخ پیدائش 14 ستمبر :1955ء درج ہے، جو اُن کے مجموعہ ءکلام **"دیئے کی آنکھ"** کے فلیپ پر بھی رقم ہے۔ مقبول عامرؔ کے والد کا نام پیر امیر عبد اللہ اور والدہ کا نام فاطمہ بی بی تھا۔

مقبول عامرؔ نے ابتدائی تعلیم بنوں میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول نمبر2 بنوں شہر سے :1970ء میں سائنس گروپ کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ :1972ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج بنوں(موجودہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بنوں) سے ایف۔ایس سی کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ 1975ء میں بی۔اے کا امتحان گومل یونی ورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان سے سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ اس کے بعد پرائیویٹ اُمیدوار کی حیثیت سے ایم۔اے اُردو پشاور یونی ورسٹی سے کیا۔ مقبول عامرؔ کی شادی :1978ء میں زبیدہ خانم سے ہوئی۔ اُنھوں نے اپنے پیچھے تین بیٹوں مُراد حُسین شاہ، فواد حُسین شاہ اور سجاد حُسین شاہ کو سوگوار چھوڑا۔

مقبول عامرؔ نے سب سے پہلے حبیب بینک میں ملازمت اختیار کی اور بعد میں 24 جولائی :1984ء کو بطورِ ریسرچ آفیسر اِکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد میں اُن کی تقرری ہُوئی۔ اُن کی نگرانی میں اکادمی نے بہت ساری کتابیں شائع کیں۔

مقبول عامرؔ کو جوانی ہی میں ایک خطرناک بیماری سکلیروڈرما(Scleroderma) لاحق ہوئی۔ اُنھوں نے باقاعدہ علاج کیا حتیٰ کہ وہ علاج کے سلسلے میں لندن بھی گئے لیکن وہاں بھی ختمی علاج دریافت نہ ہو سکا۔ مقبول عامرؔ اپنے آپ کو سفرِ مرگ کے لیے ذہنی طور پر تیار کر چکے تھے، بل کہ اپنی فیملی کو بھی تیار کر رہے تھے بہ قول اُن کی شریکِ حیات زبیدہ خانم: "ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے وہ (مقبول عامرؔ) دل کو پکڑ کر بستر پر گر گیا اور کہا: "مجھے دل کا دورہ پڑ رہا ہے" اس کی حالت دیکھ کر میری حالت غیر ہو رہی تھی اور میں مسلسل روئے جا رہی تھی۔ پر ایک دَم اُٹھا اور کہا: "میں تو مذاق کر رہا تھا" اور کافی دیر تک ہنستا رہا اور مجھے بھی ہنساتا رہا۔"[2] مقبول عامرؔ ایک خط میں احمد ندیم قاسمی کو لکھتے ہیں: "شاید عمر کم رہ گئی ہے۔ اِس لیے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ شاعری کرنا چاہتا ہوں۔"[3]

مقبول عامرؔ کو مرنے کا پہلے سے پتہ تھا اور اُسے معلوم تھا کہ عمر کم رہ گئی ہے۔ وہ اِس کم وقت میں زیادہ سے زیادہ شاعری کرنا چاہتا تھا کیوں کہ وہ بار بار یہی الفاظ استعمال کرتے تھے کہ وقت بہت کم ہے۔ 1990ء کے ایک خط میں مقبول عامرؔ اپنے جگری دوست معروف شاعر غُلام محمد قاصرؔ کو لکھتے ہیں کہ: "میری کتاب کا صرف ٹائٹل رہتا ہے، جو پریس والوں نے Scaning کے لیے لاہور بھجوا دیا ہے۔ تین چار روز تک ٹائٹل واپس آجائے گا تو شاید مزید ایک ہفتہ اس کی پرنٹنگ اور بائنڈنگ پر لگ جائے۔ ٹائٹل کے علاوہ باقی کتاب تو چھپی ہُوئی پڑی ہے۔۔۔ وقت بہت کم ہے۔ اِس لیے یہ خط ملتے ہی جواب روانہ کر دیں۔"[4]

اسی حوالے سے مقبول کے چند غیر مطبوعہ اشعار ملاحظہ ہو:

بچھڑ رہا ہے کوئی شخص عمر بھر کے لیے
یہ وقت کاش! ٹھہر جائے لمحہ بھر کے لیے
ذرا ٹھہر کہ کہیں گُل فروش کے یاں سے
میں چند ہار خریدوں اُداس گھر کے لیے

تخلیقی سرمایہ

مقبول عامرؔ کی شدید خواہش تھی کہ اُن کا شعری اثاثہ کتابی صُورت میں شائع ہو جائے۔ چُناں چہ :1990ء میں اُن کا واحد شعری مجموعہ **"دیئے کی آنکھ"** منظرِ عام پر آیا۔ یہ مجموعہ ایک سو ساٹھ (160) صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس خُوب صُورت کتاب کی خطاطی (کتابت) **محمد** اصغر لالی نے بہت ہی خُوب صُورت انداز میں کی ہے، جب کہ سرِ ورق (ٹائٹل پیج) غُلام رسول نے ڈیزائن کیا ہے۔ ناشر: زر تار پبلی کیشنز، اسلام آباد ہے لیکن یہ مجموعہ خُود مقبول عامرؔ نے شائع کیا ہے کسی اشاعتی ادارے نے نہیں۔ **"دیئے کی آنکھ"** میں کُل 52 غزلیں، 25 نظمیں اور 6 فرد اشعار ہیں۔ نظموں میں کئی گیت بھی شامل ہیں۔ مقبول عامرؔ کی مادری زبان پشتو تھی اور وہ بھی یُوسف زئی نہیں، بل کہ بلوچی پشتو تھی، لیکن اِس کے باوجود اُنھوں نے اُردو میں بہت اچھی اور خُوب صُورت شاعری کی ہے۔ ہم جب اُن کی شاعری پڑھتے ہیں تو ہمیں یُوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا کسی بڑے اہلِ زبان شاعر کی شاعری پڑھ رہے ہیں۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

> "مقبول عامرؔ پٹھان ہے۔ اس کی مادری زبان پشتو ہے۔ اُردو بولتے وقت اُس کا پشتو لہجہ واضح ہوتا ہے (سُنا ہے علامہ اقبالؔ بھی پنجابی لہجے میں اُردو بولتے تھے) مگر اُس کی شاعری پر غور کیجیے تو وہ صاف ستھری اُردو میں، جذبہ و خیال سے آراستہ ایسی رواں دواں خُوب صُورت شاعری کرتا ہے کہ اس پر رشک آتا ہے ۔ کہیں کہیں تو سراسر "اہلِ زبان" معلوم ہوتا ہے۔ وہ محاورے اور روزمرے کو ایسے سلیقے سے استعمال کرتا ہے کہ ان کے مفاہیم میں اضافہ ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بنوں کا یہ پٹھان شاعر فراقؔ اور یگانہؔ کے لحن میں شعر کیسے کہہ لیتا ہے، جب کہ وہ اپنی انفرادیت پر بھی آنچ نہیں آنے دیتا۔"[5]

مقبول عامرؔ کی بیماری کا تعلق چُوں کہ دورانِ خون سے تھا۔ اِس لیے اِس کے اثرات پورے بدن میں سرایت کر چکے تھے۔ بقول پروفیسر شیر علی: "31 مئی: **1991**ء کی شب اُنھیں دل کا شدید دورہ پڑا۔ رات کے پچھلے پہر اُنھوں نے اپنی اہلیہ سے پانی مانگا لیکن پانی کا گلاس ابھی مقبول عامرؔ کے ہاتھ ہی میں تھا کہ اُن کا جامِ حیات سنگِ اجل نے توڑ دیا اور وہ تشنہ لب اِس جہانِ فانی سے کُوچ کر گئے۔"[6] مقبول عامرؔ کہتے ہیں:

ہم تو چُپ چاپ چلے آئے بحکمِ حاکم
راستہ روتا رہا شہر سے ویرانے تک
تشنگی اپنے نصیبوں میں لکھی تھی ورنہ
فاصلہ کچھ بھی نہ تھا ہونٹ سے پیمانے تک [7]

پروفیسر شیر علی کی تحقیق کے مطابق مقبول عامرؔ کی تاریخِ وفات 31 مئی: 1991ء ہے، جو کہ دُرست ہے، جب کہ **ڈاکٹر انور صابر** اپنے **پی ایچ۔ڈی** مقالہ بعنوان: **"پاکستان میں اُردو غزل کا اِرتقاء"** میں مقبول عامرؔ کے متعلق یُوں لکھتے ہیں: "بنوں، جیسے دُور اُفتادہ شہر میں جنم لینے والا مقبول حُسین شاہ ادبی دُنیا میں مقبول عامرؔ کے نام سے شُہرت کی سیڑھیاں جلد از جلد طے کرتا ہُوا بالا آخر **1990**ء کی ایک شام زندگی کی آخری سیڑی بھی پھلانگ گیا اور اِس کی لوحِ مزار پر جواں مرگی کا کتبہ سج گیا۔"[8] ڈاکٹر انور صابر سے اپنے مقالہ میں مقبول عامرؔ کی تاریخِ وفات غَلط رقم ہُوئی ہے کیوں کہ 1990ء میں تو مقبول عامرؔ کا واحد شعری مجموعہ **"دیئے کی آنکھ"** شائع ہُوا اور اِس وقت وہ زندہ تھے۔ یکم جون: 1991ء کی صبح مقبول عامرؔ کا جسدِ خاکی ضلع بنوں میں ان کے آبائی گاؤں جھنڈو خیل لایا گیا اور گھر سے کچھ فاصلے پر قبرستان میں سُپردِ خاک کیا گیا۔ اُن کی قبر گاؤں جھنڈو خیل کو جانے

والی سڑک کے بائیں کنارے پر ہے۔ قبر کے چاروں طرف قرآنی آیات کندہ ہیں۔ قبر کے کتبے پر مقبول عامرؔ کا نام، ولدیت اور تاریخِ وفات کے علاوہ اُن کا یہ شعر بھی درج ہے:

میں مر گیا ہُوں وفا کے محاذ پر عامرؔ
پسِ شکست بھی میرا وقار باقی ہے[9]

دوست احباب کے تاثرات

مقبول عامرؔ کی اچانک وفات پر نہ صرف اُن کے خاندان والے خُون کے آنسو روتے رہے، بل کہ اُردو زبان و ادب کے بڑے بڑے شُعرا و اُدبا بھی خُون کے آنسو روتے رہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں: "مقبول عامرؔ کی اچانک وفات سے یوں محسوس ہُوا کہ، جیسے آسمانی بجلی میرے جسدِ خاکی پر گر گئی ہے۔ میں سکتے میں آ گیا۔ مقبول عامرؔ نوجوان تھا۔ یہ مرنے کے دن نہیں تھے۔ وہ خُوش خلق بھی تھا، ملنسار بھی، محنتی بھی تھا، کار گُزار بھی۔ اُبھرتا ہُوا شاعر، نیک طینت، نیک خُو، مثبت سوچ رکھنے والا، دوستوں کا دوست، دُشمنوں کا غمگسار، ایسے اچھے انسان کم کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ اُردو شاعری کے حوالے سے میں مقبول عامرؔ سے بڑی اُمیدیں رکھتا تھا۔ اُن کا مجموعہ کلام "دیئے کی آنکھ" اِس کا گواہ ہے۔"[10] سید ضمیرؔ جعفری نے اپنے خیالات کا اظہار یُوں کیا تھا:

> "مقبول عامرؔ کی وفات سے زندگی کا ایک سنہرا خواب اچانک ٹوٹ گیا۔ شاعری میں اس کے سچے جذبوں اور مُنفرد لہجے نے اس کے لیے بہت نمایاں مقام پیدا کر لیا تھا اور اُردو ادب نے اس کے ساتھ بہت سی توقعات وابستہ کر لی تھیں۔۔ مجھے اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد میں مرحوم کے ساتھ کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے اسے بے حد شائستہ، مخلص اور محبت کرنے والا شخص پایا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا، جن سے ملنے کے بعد اُنھیں بُھولنا مشکل ہوتا ہے۔"[11]

اکادمی ادبیات کے سربراہ اور مقبول عامرؔ کے دوست افتخار عارفؔ کہتے ہیں: "اچھے انسان، اچھے دوست، اچھے شاعر اور اچھے رفیقِ کار مقبول عامرؔ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ یہ ہمارا ذاتی نقصان بھی ہے اور ادبی بھی۔ اُن کی یادیں اور اُن کے لکھے ہُوئے زندہ لفظ ہمارا سرمایہ ہیں۔"[12] جب کہ جدید غزل گو شہزادؔ احمد، مقبول عامرؔ کو اِن الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

> "مقبول عامرؔ اُردو شاعری میں نئی آواز نیا آہنگ تھے، وہ ایک ایسا رنگ بیان کرنا چاہتے تھے، جو پہلے نہیں تھا۔ اُنھیں بطور شاعر اپنا مقام بنانے کے لیے ایک طویل عرصہ نہ لگا، بل کہ بہت جلد ہی اُن کی شاعری اُن کا حوالہ بن گئی۔"[13]

تحقیقی جہتیں

اب تک مقبول عامرؔ پر جو تحقیقی و تنقیدی کام ہو چُکا ہے۔ اُس کی تفصیل کچھ یُوں ہے: **"مقبول عامرؔ۔ شخصیت اور فن"**، تحقیقی و تنقیدی مقالہ برائے ایم۔ اے اُردو، مقالہ نگار حُسین محمود داوڑ شمالی وزیرستان، سال 2000ء شعبہ اُردو، جامعہ، پشاور۔ **"مقبول عامرؔ۔ احوال و آثار"**، تحقیقی و تنقیدی مقالہ برائے ایم۔ فِل اُردو، مقالہ نگار، پروفیسر شیر علی، پشاور، سال 2004ء شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اِسلام آباد۔

3۔ **"مقبول عامرؔ نمبر"** رسالہ، سہ ماہی **"تسلسل"**، پشاور، از ڈاکٹر طارق ہاشمی۔

4۔ "دیئے کی آنکھ" از مقبول عامرؔ، کا منظوم پشتو ترجمہ **"ڈیوے ستر گہ"** از پروفیسر طارق محمود دانشؔ بنوں، سنِ اشاعت بارِ اوّل 2008ء، ناشر: دارلشعور 37، مزنگ روڈ، بُک سٹریٹ، لاہور۔

مقبول عامرؔ کی سوچ میں آفاقیت ہے۔ اُن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اُنھوں نے فطرت سے قریب تر تشبیہات دیئے ہیں ۔ مثلاً:

سوچتے رہنے سے بہتر ہے کہ اُٹھ کر عامرؔ
نہر میں بہتے ہُوئے پُھول کا پیچھا کر لیں[14]

شاعری کی انفرادیت

مقبول عامرؔ کے جذبات میں سچائی اور گہرائی کے ساتھ وارداتِ قلبی کی سچی ترجمانی ہے اور اس کے ساتھ زندگی اور اس کے متعلقات کا عمیق مشاہدہ بھی، جو گاہے گاہے اُن کے احساسات میں ڈھل کر الفاظ کا جامعہ پہن کے **"دیئے کی آنکھ"** کی صُورت میں جلوہ گر ہو گئی ہے۔ میرے نزدیک یہ مجموعہ، شعری مجموعہ سے زیادہ ایک تمثیل ہے، جس میں جذبات مجسم ہو کر ہماری نگاہوں میں رقصاں ہو جاتی ہیں اور قاری کے دل کو کچو کے لگا کے جذبات تقاضا کرتے ہیں کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی بن کے دکھاؤ، لیکن تقلید اور تتبع محض خواب وخیال بن جاتا ہے کیوں کہ یہ جذبے اُن کے ہیں اور اُسی کے ساتھ منوں مٹی تلے دَب کے رہ گئے ہیں۔ **"دیئے کی آنکھ"** فطری عناصر، شدتِ جذبات، عظمتِ خیال، تنظیمی عناصر، زبان و بیان (صنائع و بدائع) انتخابِ الفاظ اور ترتیبِ الفاظ کا حسین امتزاج ہے، شاید اُن کو اپنا وقتِ اجل معلوم تھا۔ تب ہی تو کہا تھا:

وہ فصلِ گُل کی طرح آ تو جائے گا لیکن
مجھے خزاں کی ہوا دُور لے گئی ہو گی[15]

مقبول عامرؔ نہ صرف عرصہ دراز تک موت سے بر سرِ پیکار رہے، بل کہ معاشرے کی ناانصافیوں اور ناہمواریوں کے خلاف بھی آواز احتجاج بلند کرتے رہے، لیکن اُن کے لہجے میں یاسیت اور نا اُمیدی نہیں بغاوت اور نعرہ بازی نہیں، بل کہ ہر جگہ اُمید کی روشنی نمایاں ہے۔ وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے:

ہم اہلِ شب کے لیے صبح کا حوالہ ہے
دیئے کی آنکھ میں آنسو نہیں اُجالا ہے[16]

مقبول عامرؔ اندھیروں سے گھبراتے نہیں، بل کہ اندھیروں میں روشنیوں کو تلاش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہاں مایوسانہ لہجہ مفقود ہے:

خزاں کی رُت میں بھی نقشِ بہار باقی ہے
کہ ایک پُھول سرِ شاخسار باقی ہے![17]

مقبول عامرؔ اپنے عہد میں ایسے مسیحا کو تلاش کرتے ہیں، جو غریب اور پسماندہ طبقے کی اشک شوئی کرے لیکن ایسا مسیحا ملنا مشکل ہے۔ اِس سلسلے میں حبیب جالبؔ یوں لکھتے ہیں: "مقبول عامرؔ کے دل میں اِس ناہموار معاشرے کے خلاف، جو غم و غصہ اور تڑپ ہے، وہ انتہائی خُوب صُورت شاعری میں ڈھل گیا ہے۔"[18] مقبول عامرؔ کا یہ خُوب صُورت شعر ملاحظہ ہو:

کون اِس زمانے میں سر پہ ہاتھ رکھے گا

کس کے در پہ لے کر ہم اپنی چشمِ تر جائیں[19]

اور جب مقبول عامرؔ کو کوئی مسیحا نہیں ملتا، تو خُود کو ایک شکستہ حال قافلے کے ساتھ وقت کے حوالے کرتے ہیں اور اپنے زخموں کے بھرنے کی آس لگا کے بیٹھتے ہیں:

اہلِ درد کہتے ہیں وقت ایک مرہم ہے
اپنے زخم بھی شاید ایک روز بھر جائیں[20]

مقبول عامرؔ سینے میں ایک درد بھرا دل رکھتے ہیں اور اِس کے ساتھ اپنی وفاؤں کا بھرپور اظہار کرتے ہیں۔ اُن کے محبت ایک آفاقی جذبہ ہے، جسے نہ تو کوئی گھڑی کی سوئیوں کا پابند بنا سکتا ہے اور نہ مہ و سال کی گردشیں اِس بہاؤ کے رستے میں رُکاوٹیں ڈال سکتی ہیں۔ اُن کی محبت صرف احساسِ ذات تک محدود نہیں، بل کہ وہ کائنات کی ہر شے کو پروردہء محبت بنانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ وطن سے والہانہ محبت وہ اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

ہمیں یہ غم ہے نگارِ وطن کہ ہم نہ رہے
تو جانے کون ترا قرضِ غم اُتارے گا[21]

وہ اپنے ملک سے اِس طرح محبت کرتے ہیں، جس طرح کوئی اپنے محبوب سے کرتا ہے۔ مقبول عامرؔ فکرِ وطن کے جذبے سے سر شار تھے۔ اِس سلسلے میں یہ خُوب صُورت شعر ملاحظہ ہو:

مجھے یقین ہے عامرؔ کہ ایک روز خُدا
اِسی زمیں پہ بَہشتِ بریں اُتارے گا[22]

مقبول عامرؔ اپنے سینے میں نوعِ انساں کے لیے ایک گُداز دل رکھتے تھے۔ اِس لیے اُن کے کلام میں انسان دوستی کا حوالہ بڑا معتبر ہے۔ انسان دوستی کا دعویٰ ہر شاعر کرتا ہے لیکن بہت کم شاعر ایسے ہوں گے جنھوں نے اِس پُر آشوب دَور میں بھی انسان دوستی کا دامن صحیح معنوں میں تھام رکھا ہے۔ ایسے شُعرا میں مقبول عامرؔ کا شمار بھی ہوتا ہے۔ انسان دوستی کا موضوع اُن کے ہاں اپنے ایک خاص اور بھرپور رنگ میں ملتا ہے۔ اگر تخلیقِ کائنات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا جہاں کی تمام آسائش و آرائش انسان کی خاطر ہیں اور انسان ہی کی آسودگیوں اور خوشیوں کے لیے اِس جہانِ رنگ و بو کو وجود میں لایا گیا ہے۔ مقبول عامرؔ کی شاعری انسان دوستی کے تمام تقاضے پوری کرتی ہے۔ وہ امن اور محبت کے پیامبر ہیں۔ مقبول عامرؔ نہ صِرف انسانوں سے، بل کہ پرندوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ اِس سلسلے میں دو اشعار ملاحظہ ہو:

میرا کسی سے تعلق نہیں تو پھر عامرؔ
یہ کس کا درد مری دھڑکنوں میں بستا ہے[23]

اِسے نہ کاٹیے تعمیرِ قصر کی خاطر
کہ اِس درخت میں اِک فاختہ کا جالا ہے![24]

مقبول عامرؔ بچھڑے اور بھٹکے ہُوئے لوگوں کے لیے سہارے کی فکر میں ہیں اور اُن کے لیے تاریک راستوں کو روشن کرنا چاہتے ہیں:

گام گام پر عامرؔ مشعلیں جلائیں گے

آنے والوں کی خاطر روشنی تو کر جائیں[25]

مجھے خود اپنی نہیں اُس کی فکر لاحق ہے
بچھڑنے والا بھی مجھ سا ہی بے سہارا تھا[26]

مقبول عامرؔ کے کلام میں خُوب صُورت تشبیہات و استعارات اور تراکیب کے علاوہ محاکات و منظر کشی کے بھی بڑے خُوب صُورت نمونے ملتے ہیں۔جب کوئی شاعر غیر مجسم اشیاء،کیفیات،جذبات اور دیگر چیزوں کو مناسب الفاظ اور قوتِ تخیل سے پڑھنے والے کے ذہن پر تصویر کی صُورت میں پیش کر دے تو اصطلاح میں اِس کو محاکات کہتے ہیں یا کسی چیز یا حالت کی تعریف اِس طرح بیان کرنا کہ اس چیز یا حالت کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جائے محاکات کہلاتی ہے۔مقبول عامرؔ کی شاعری میں پیکر تراشی اور تصویر کاری کا عمل بھی جاندار ہے۔اُن کی شاعری محاکات کے نادر نمونوں کا مُرقع ہے۔اُنھوں نے اپنے مختلف النوع تجربات کو دلکش تصویر کاری کے رُوپ میں پیش کیا ہے۔بقول ڈاکٹر نذیر تبسمؔ:

"لفظوں سے تصویر بنانے اور محاکات میں زندگی سے بھرپور رنگ بھرنے میں بھی عامرؔ بڑی ہنر مندی اور قرینے کا ثبوت دیتا ہے۔ایسے مناظر کے بیان میں یُوں محسوس ہوتا ہے کہ، جیسے ہم سب کے چہروں پر عامرؔ نے اپنی آنکھ کا عدسہ لگا دیا ہو۔"[27]

مقبول عامرؔ نے اِس ضمن میں، جو کچھ بھی پیش کیا ہے اِس طرح قاری کے ذہن میں آجاتا ہے، جیسے ایک متحرک فلم آنکھوں کے سامنے چل رہی ہو اور قاری خُود کو اِس کا ایک کردار تصور کرنے لگتا ہے۔چند اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں:

یہی چنار یہی جھیل کا کنارا تھا
یہیں کسی نے مرے ساتھ دن گزارا تھا
نظر میں نقش ہے صبحِ سفر کی ویرانی
بس ایک میں تھا اور اِک صبح کا ستارا تھا[28]
دو سائے اِک چنار کے نیچے بہم ہُوئے
اور دُھوپ کوہسار کے نیچے اُتر گئی[29]

یا یہ شعر ملاحظہ ہو:

پَل بھر وہ چشمِ تَر سے مُجھے دیکھتا رہا
پھر اُس کے آنسوؤں سے مِری آنکھ بھر گئی[30]

مقبول عامرؔ کے یہ اشعار نہ صِرف محاکات و منظر کشی کے غماز ہیں، بل کہ اُن کے خطابیہ لہجے کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔مقبول عامرؔ کی شاعری کی بہت ساری جہتیں بنتی ہیں کیوں کہ نہ صِرف اُن کے پاس جدید علوم سے آگہی کا ایک بڑا حصہ تھا، بل کہ زبردست شعری صلاحیت اور تخلیقی ذہن بھی تھا۔بقول احمد ندیمؔ قاسمی:

"مقبول عامرؔ کے ہاں جذبے کی شدت نہایت سلاست اور بے ساختگی سے اظہار پاتی ہے۔اس کا یہ جذبہ ذاتی بھی ہے اور اجتماعی بھی کہ وہ محض باطن کا شاعر نہیں ہے۔وہ اپنے گرد و پیش سے آنکھیں بند نہیں

کرتا۔ وہ جس تجربے سے گُزرتا ہے اسے اپنے اندر کھپالیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ شعر کہتا ہے تو اس کے ایک ایک لفظ میں رُوحِ عصر سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ شعور و وجدان کو جس طرح مقبول عامرؔ نے اپنی شاعری میں یک جان کیا ہے۔ اِس کی مثالیں اُردو میں بہت کم ہی دستیاب ہوں گی۔ بِلا شُبہ اُس نے زندہ رہنے والی شاعری کی ہے۔"[31]

عشق و محبت کے پُر لُطف واقعات کا بیان ہو، سیاسی و سماجی مسائل کی بحث ہو یا معاشرتی و عمرانی اقدار کی پامالی کا نوحہ، خلوص و مُروت کے جذبات کی عکاسی ہو یا زندگی کی ناپائیداری مقبول عامرؔ کی غزل کے آئینے میں یہ سب کچھ دیکھا جاسکتا ہے۔ بقول پروفیسر گوہر رحمان نوید: "مقبول عامرؔ نے انسانی نفسیات کی ہر کیفیت کو محسوس کیا ہے۔ انھیں رشتوں کی حُرمت کا پاس بھی ہے اور انسان عظمت کا مان بھی۔ اِسی لیے انھوں نے ہمیشہ انسانی رویوں کے مطابق قلم کا استعمال سلیقے کے ساتھ کیا ہے۔ یہی چیز ان کے دوام کے لیے کافی ہے۔ اگرچہ مقبول عامرؔ کو خزاں کی ہَوا ہم سے بہت دُور لے گئی ہے۔ لیکن آج بھی ان کی پُر بہار شاعری اُجڑے ہُوئے بے نُور دِل و دماغ کے لیے کسی فرحت بخش دوام سے کم نہیں۔"[32]

نتائجِ بحث

مقبول عامرؔ کی غزل میں سطحیت اور تصنع نہیں، بل کہ خلوص و سچائی ہے، لیکن اُن کی غزل میں جذباتی خلوص اور سچائی کا جو پَرتَو ملتا ہے اِس میں سادگی اور معصومیت کی ایک اِنفرادی شان بھی ہر جگہ جھلکتی ہے۔ اُن کی غزل میں فکر و خیال اور موضوع کے لحاظ سے، جو تنوع ملتا ہے وہ بہت کم شُعرا کے ہاں دیکھنے کو ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت کم عرصے میں بہت بڑا نام پا گئے۔

References

[1]Prof. Khatir Ghaznavi "Nood Maida" (Peshawar: Shaheen Press, 1980), 105.
[2]Zubaydah Khanum, "Usay Khazan ki Hawa Door lay gai hum say (Peshawar: Quarterly,Tasalsul, Maqbool Amir No. : 25
[3]Maqbool Amir, letter to Ahmad Nadeem Qasmi, dated November 13, 1988.
[4] Maqbool Amir, letter to Ghulam Muhammad Qasir: 1990
5Ahmed Nadeem Qasmi "flap" back title, "Diye Ki Ankh", by Maqbool Amir, Islamabad, Zartar Publications, 1st Edition,January: 1990
6 Professor Sher Ali, "Dasht-e-Bay Aab Ka Shajar", including "Tasalsul", 22.
7. Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 32.
[8]. Dr. Anwar Saber, "Evolution of Urdu Ghazal in Pakistan" (Lahore: Maghribee Pakistan Urdu Academy, 2002), 643.
[9] Maqbool Amir, " *Diyay Kī Ānkh* ", 106
[10] Dr. Jameel Jalbi, Opinions, Content, "Tasalsul",27
[11] Syed Zameer Jafari, also, p: 27
[12] Iftikhar Arif, also, p: 28
[13]Shehzad Ahmed, also, p.:29
[14]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 105
[15] Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* ,14
[16]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 21
[17]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 105

[18]Habib Jalib, Flap, Back Title, *Diyay Kī Ānkh* .
[19] Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 56
[20]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 56
[21]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 33
[22]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 34
[23]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 126
[24]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 22
[25]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 56
[26]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 16
[27]Dr. Nazir Tabasim, "Sarhad ka Jawan Marg Shaer, Maqbool Aamir, content Tasalsul", 61
[28]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 15
[29]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 16
[30]Maqbool Amir, *Diyay Kī Ānkh* , 16
[31]Flap, Back Title, Diye Ki Ankh, by Maqbool Aamir
[32] Prof. Gohar Rahman Naveed "Taayun", Mazmoon Publications Mardan, Published (June: 2014),156-157